فخر آباد پور

حضرت مولانا شمیم القادری صاحب

نام ونسب:

مولانا شمیم القادری ابن مولانا محمد کلیم الدین ابن نظر الحق عرف} وجوامنڈل{ ابن شفیع الحق منڈل۔

خاندانی پس منظر:

مولانا محمد شمیم القادری کے والد حضرت مولانا کلیم الدین ایک صاحب علم شخص تھے۔درمیانہ گھرانہ تھا۔لیکن خاندانی سلسلہ میں کوئی تعلیم وتربیت سے آشانہ تھا۔جہالت کی حکمرانی تھی۔لیکن گاؤں میں عزت کی نگاہوں سے دیکھاجاتاتھا۔کیونکہ جناب نظرالحق عرف وجواصاحب گاؤں کے ،،منڈل ،،تھے۔ان کاباپ بھی منڈل تھا۔اور اس زمانے میں منڈل کی حیثیت کیاتھی ۔اور ان کی عزت واحترام کس قدر ہوتی تھی۔چالیس پچاس سال کی عمر کے لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔

تاریخ پیدائش:

یہ توسبھی کو معلوم ہے کہ گاؤں دیہات میں آج کی طرح تاریخ پیدائش محفوظ کرنے کا رواج نہیں تھا۔اس لئے جوکچھ اسکول ومدارس میں تخمیناً جو تاریخ پیدائش لکھی جاتی تھی ،اسے ہی حتمی سمجھ لیاجاتاتھا،اس لئے سن رسیدہ اشخاش کی یوم پیدائش اور تاریخ کا صحیح طورپر پتہ لگانا ممکن نہیں ہے۔لہٰذا مولانا شمیم القادری کی پیدائش اسی اندازے کے مطابق تقریباً 1960 ۔ 61ء میں ہوئی تھی۔

تعلیمی سفرنامہ:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت مولاناکلیم الدین چشتی صاحب سے حاصل کی۔پھرننیہال پرمانک ٹولہ میں رہ کر ناظرہ وغیرہ پڑھی،بعدہ رفقائے درس میں مفتی محمد لطیف الرحمن رضوی پرمانک ٹولہ آبادپور اور مبلغ اسلام ناشر مسلک اعلی حضرت مولانا مسیح الرحمن رضوی کے ہمراہ داررالعلوم آفتاب علم عظمت گڑھ ،انوارالعلوم جین پور،اور سکٹھی میں ساتھ ساتھ ہم مدرسہ رہے۔اس کے بعدفیض آبادالجامعۃ اسلامیہ روناہی کے مدرسے میں رہے ،اوریہی سے پڑھ کر 1988ء میں فارغ بھی ہوئے۔

اساتذہ کرام:

حضرت علامہ نعمان القادری صاحب بڑے قابل انسان تھے۔علمی دغدغہ رکھتے تھے۔آپ سے اپنی اولاد کی طرح محبت فرماتے تھے۔چونکہ آپ بہت ہی ذہین وفطین تھے۔اور یہ بات تومسلم ہے کہ جوشاگرد لکھنے پڑھنے میں ذہین ہو۔اور علمی شوق رکھتے ہیں ،تواساتذہ اسے ازخود چاہنے لگتے ہیں۔لہذاآپ اساتذہ کے نوردیدہ رہے۔بالخصوص حضرت علامہ نعمان القادری صاحب کے۔اور انہیں کی صحبت کیمیااثرسے آپ بھی علم ومعلوم کے خالص جوہر بن گئے۔

بیعت وارادت:

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے شرف بیعت وارادت رکھتے تھے۔

دینی خدمات:

آپ بعد فراغت چاپڑی ٹولہ آسنسول میں بزم تدریس سجائی۔جہاں پر رابعہ تک تعلیم وتعلم کا

انتظام تھا۔چند برس رہنے کے بعد علم و معلوم سے تاریک وطن کی جانب توجہ دی۔اور آسنسول سے گھر پر آ گئے۔آپ کے رفیق درس مبلغ اسلام ناشر مسلک اعلی حضرت مولانا مسیح الرحمن رضوی دامت برکاتھم بھی پنجاب کی سرزمین سے وطن میں آئے ہوئے تھے۔حضرت مولانا علی اکبر رضوی دام ظلھم بھی بعد فراغت گھر ہی میں رہ رہے تھے۔ان سب کی ہم نوائی و ہمرہی کے ساتھ علاقہ میں ایک علم کی قندیل بشکل دارالعلوم جلانے کے لئے پابہ رکاب ہوئے۔

دارالعلوم کے لئے جگہ کی تلاش:

علاقہ چونکہ نہایت ہی غربت وفلاکت زدہ ہے۔مفلسی کے ساتھ ساتھ دینی علمی اعتبار سے بھی جہالت حد سے فزوں تر تھی۔امراء بھی تھے مگر انہیں انگلیوں میں شمار کرسکتے تھے۔ایسی صورت حال میں ایک ادارہ کے لئے زمین کون دیتے۔

لھذاان علماء محرکین نےایک مختصر بیٹھک میں طئے کیا کہ محلہ جگناتھ پورمیں اگرچہ جگہ کم ہے۔لیکن ایک حال روم بناہواہے۔اور سامنے بہت بڑاتالاب بھی ہے۔بروقت مدرسے کاافتتاح یہی سے کردیاجائے۔لھذااس خیال کو گوشہ ذہن سے زمین میں اتارنے کے لئے روبعمل ہوئے۔لیکن اس پرعمل آوری،اہالیان جگناتھ کے سربرآوردہ لوگوں کی اجازت کے بغیر ممکن نہ تھا،اجازت طلبی کی خاطران سے ملاقات بھی کی۔مگراجازت نہ ملنی تھی نہیں ملی۔مگرمایوس نہیں ہوئے۔یہ لوگ مایوس بھی کیسے ہوسکتے تھے جودوسروں کو ،،لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ،،کادرس دینے والے تھے۔پس پھر طئے ہواکہ بیلواکےجس مقام پراب پھوٹ بال اسٹیڈیم بناہے۔وہ سرکاری زمین خالی پڑی ہوئی ہے۔وہیں پر مدرسے کی داغ بیل ڈال دی جائے۔مگر اس وقت کی سوچ کے مطابق کہ ایک دینی مدرسہ کوسرکاری زمین پر بنانامناسب نہیں ہے۔اس خیال سے وہ زمین بھی ہاتھ سے گئی۔

پھرطئے پایا کہ گرام پنچایت بھون کے سامنے الحاج سہراب الدین صاحب کی زمین خالی پڑی

ہے۔ان سے استدعا کی جائے تو شاید کام بن جائے ۔

تینوں علماِ لگوایں الحاج سہراب الدین صاحب کے دردولت پر حاضر ہوئے۔ مدعا پیش کیا۔ کچھ بھی پس و پیش کئے بغیر زمین دینے کو راضی ہو گئے۔ تینوں علمائے محرکین کی یہ حسن ظن درست ثابت ہوئی۔

دارالعلوم کا قیام:

ابھی جس مقام پر دارالعلوم قائم ہے۔اس زمانے میں سارا علاقہ جنگل جھاڑی سے بھرا پڑا تھا۔ بیلوا جو قدیم مارکیٹ ہے۔یہاں پر صرف ایک چائے کی دکان تھی۔ جو صبح کھلتی۔اور شام ہونے سے قبل بند ہو جاتی تھی۔ بعد عصر ادھر سے لوگ گزرتے ہوئے۔ گھبراتے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ چند قدم کے فاصلے پر برگد کے نیچے قدیم زمانے کی مورتیاں خستہ حالت میں ادھر ادھر ٹوٹی ہوئی بکھری پڑی تھی۔ جو ایک ڈراؤنہ منظر پیش کرتا تھا۔

لیکن اللہ کے ان نیک بندوں نے باس بتی سے جھوپڑی ٹانگ کر علم دین کی قندیل بنام مدرسہ غوثیہ سفیلیہ مظہر اسلام کا/25 مئی 1991 میں سنگ بنیاد رکھ دی۔

پھر بہت ہی کم مدت میں ترقی کا زینہ طئے کرنے لگا،ایک سال بشکل مکتب چلا،دوسرے برس سے ہوسٹل کھول دیا۔اور قوم کے نونہالوں کو مدرسے میں رکھنے کا بقاعدہ انتظام وانصرام کرلیا۔ مگر دو برس تک ان کے کھانے پینے کا سسٹم جاگیر کا رھا۔ تیسرے برس میں مدرسہ سے دارالعلوم کا سفر طئے کرلیا۔ جس میں قرآن وحدیث قال اللہ وقال الرسول کی کانوں میں مدھور رس گھولنے والی آواز گونجنے لگی۔ حفظ و قرأت کے ساتھ ساتھ مولویت کی تعلیم بھی رابعہ تک ہونے لگی۔

بانیئن دارالعلوم:

حضرت علامہ مولانا محمد شمیم القادری صاحب کا سب سے بڑاکارنامہ بیلوا کی تاریخی سرزمین پر ایک تاریخ ساز دارالعلوم کاقائم کرناتھا۔لیکن یہ کام آپ نے تنہا انجام نہیں دیا۔البتہ اس کے سب سے پہلا محرک آپ ہی تھے۔آپ ہی نے سب سے پہلےاپنے رفقائے درس کے قلوب میں ایک عالی شان دارالعلوم کے خیال کا چراغ روشن کیاتھا۔لھذااس تاریخ ساز ادارے کا بانی اول آپ ہی تھے۔بانی دوم کی حیثیت سے مبلغ اسلام ناشر مسلک اعلی حضرت حضرت مولانا محمد مسیح الرحمن رضوی کانام آتا ہے۔ اور تیسرے نمبر پر حضرت مولاناالحاج محمد علی اکبر رضوی کے نام آتے ہیں۔

بیلوا کی ترقی:

بیلواکے جنگل میں بشکل مدرسہ علوم وفنون کی قندیل کیاروشن ہوئی ی۔ہرطرف روشنی بکھر گئی۔اجالے ہی اجالے ہوگئے۔آبادیاں سمیٹ سمٹاکر تھی۔ بڑھنے پھیلنے لگی۔محلہ سے گاؤں آباد ہو گیا۔جس مقام پر صرف ایک دکان تھی ،وہاں پر عالی شان صباحیہ ومسائیہ بازار لگنے لگا۔کہاں دن کے چار4بجے لوگ گزرنے سے گھبراتے تھے۔اب دس 10 بجے شب تک چہل پہل رہنے لگی ہے۔یہ اسی مدرسہ کی برکت تھی جو ظہور میں آئی ۔یوں سمجھ لیجئے کہ بیلواکی ترقی کی پہلی اینٹ بشکل مدرسہ پڑی۔پھر جیسے جیسے مدرسہ نے مکتب سے لیکردارالعلوم کاسفر طئے کیا۔بالکل اسی طرح لگواپنچایت سے کٹ کرسن 2000ء میں بیلوا ایک الگ پنچایت کی شکل اختیار کرلی۔ 2010تا 2015 میں سات پنچایتوں کی سرکار بھون کے ساتھ ہسپیٹل اور پھوٹبال اسٹڈیم بھی بن گیاہے۔

لائبریری کاقیام:

آپ نے مدرسہ کے ساتھ ساتھ ایک لائبریری کابھی قیام عمل میں لایاتھا۔جس میں درسی اور

غیر درسی کتب جمع تھی۔

انجمن رضائے مصطفیٰ ﷺ:

مدرسے میں ایک ہفتواری انجمن بھی طلبائے دارالعلوم کے لئے قائم کیا تھا۔ جس میں آج بھی طلبائے عظام اصلاح للسان کے ساتھ علمی ادبی سماجی طور طریق سیکھتے ہیں۔

تصنیف و تالیف:

آپ ایک قابل اور باصلاحیت و باعمل عالم دین تھے۔ جو کہتے اسے کر دیکھاتے۔ آپ کے اندر تصنیف و تالیف کاملکہ و ہنر تھا۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آپ حضرت علامہ مفتی محمد طفیل احمد رضوی علیہ الرحمہ اور حضرت مفتی محمد ظہور حسن رضوی سے تحریری طور پر علمی مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ اور چند کتب و رسائل بھی فقہی طور پر سوالیہ انداز میں ترتیب دے رہے تھے۔ مگر دارالعلوم میں ڈیڑھ برس درسی خدمات انجام دیکر آپ 1993ء میں کہاں چلے گئے ۔ آج تک کوئی سراغ نہیں ملا۔

آپ کے جانے کے بعد آپ سے منسوب تمام آثار بھی مٹ گئے، تلاش بسیار کے بعد آپ کے مضامین میں سے سوائے ایک کہ کوئی مضمون دستیاب نہیں ہوا۔ سب ضائع ہو چکے ہیں ۔ اور جو خطوط انہوں نے اپنے رفقا کے نام لکھے تھے۔ وہ بھی کسی کے پاس محفوظ نہیں ہے۔

دارالعلوم کی عمارت:

بارسوئی اور آبادپور کی سرزمین میں یہ دارالعلوم ان چند بڑے اداروں میں شامل ہوتے ہیں۔ جنھیں انگلیوں میں گنا جاتا ہے۔

جس کی شروعات پھوش کے مکان سے ہوئی تھی۔ آج زمانے کی رفتار کے ساتھ ترقی پذیر ہے۔

الحمدُ للہ تعالی زمین دارالعلوم کے نام سے وقف ہوچکی ہے۔اور سیہ طرفہ عمارت کھڑی ہوچکی ہیں۔بلکہ مین گیٹ کے سامنے نظر جیسے ہی آگے بڑھے گی۔آپ کو ایک عالی شان خوبصورت دومنزلہ عمارت دیکھنے کو ملے گی۔دائیں بجانب مشرق بارہ دری کی طرح لمبی ایک عمارت ہے۔یہی قدیم دارالاقامہ تھا۔اور اب بھی ہے۔بائیں سمت نظر کیجئے۔عمارت تو ہے مگر اوپر ٹین کا چھپڑ ڈالا ہوا ہے۔یہ بطور درسگاہ اور نماز وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فقط

محمد ساجد رضا قادری رضوی

بانی :تحریک فیضان لوح و قلم جگناتھ پور}بیلوا{آباد پور بارسوئی کٹیہار بہار